حاجی عدیل

# جادوگر

کسی بھی بڑے آدمی سے ملنے کی خواہش کرنا اور رکھنا کوئی انوکھی بات نہیں۔ ابن صفی سے ملنے کی خواہش بہت عرصے تک میرے دل میں پرورش پاتی رہی۔ میری اس خواہش کو اکثر سبط اختر نے مہمیز کیا۔ سبط اختر اور ابن صفی نے ایک ساتھ ہی بی اے کیا تھا۔ وہ اکثر کہتے کہ ابن صفی ہمارے گروپ میں سب سے زیادہ ذہین ہیں۔ طنز و مزاح نگاری میں تو ان کا جواب نہیں۔ کئی حوالوں سے سبط اختر کی زبان سے ابن صفی کا ذکر سنتا رہا۔ سبط اختر خود بھی افسانے لکھتے اور طنزیہ مضامین بھی تخلیق کرتے تھے۔ پاکستان آنے کے بعد ان کی صلاحیتوں کو زنگ لگ رہا تھا۔ پی آئی اے کی یونین نے ان کی ادارت میں ایک نیم ادبی اور نیم سیاسی ماہنامہ "منشور" جاری کیا۔

اس ماہنامے کے سلسلے میں جب بھارت اور پاکستان کے دانشوروں سے خط و کتابت شروع ہوئی تو بھارت میں موجود اختر الایمان، کیفی اعظمی، جانثار اختر، سردار جعفری، عصمت چغتائی، واجدہ تبسم، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی اور رام لعل وغیرہ کو خط لکھے جانے لگے تو ابن صفی کا ذکر پھر نکل آیا۔

ابن صفی نے بھارت میں جاسوسی ناول لکھ لکھ کر دھوم مچا دی تھی۔ ان کے ناول پاکستان میں بھی فروخت کے ریکارڈ توڑ رہے تھے۔ ابن صفی کا نام جاسوسی کہانی کے حوالے سے نہیں بلکہ طنز و مزاح کے حوالے سے فکر تونسوی کے ساتھ آیا تھا۔ ان کے نام پر ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے ایک دانشور بدک گئے اور برا سا منہ بنا کر بولے۔ "اگر ابن صفی ہمارے لیے لکھنے کو تیار بھی ہو جائیں تو ہم انہیں شائع نہیں کریں گے کیوں کہ وہ لوگوں کے ذہن کو مفلوج کر رہے ہیں۔"

چونکہ ان صاحب کا تعلق "منشور" کی ادارت سے تھا اس لیے چند لمحے تو ہم سب خاموش رہے پھر ایک صاحب نے کہا۔ "کیا آپ نے ابن صفی کو پڑھا ہے؟"

"مجھے پڑھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" ان صاحب نے کہا۔ "جاسوسی کے جھوٹ قصے، مار دھاڑ اور بھونڈا مذاق۔"

"میرا خیال ہے پھر آپ کو بولنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔" سبط اختر نے کہا۔ "میں جانتا ہوں طنز و مزاح کے سلسلے میں ابن صفی کا قلم نشتر ہے نشتر۔"

سبط اختر کے اس فقرے نے بحث کے در باز کر دیے۔ دو گھنٹے تک ترقی پسند ادب، آفاقی ادب، ادب عالیہ اور رجعت پسند ادب پر دھواں دھار بحث ہوتی رہی مگر اس پوری بحث میں جاسوسی یا سستی ادب کسی خانے میں سما نہیں سکا اس لیے وہ آخری وقت تک "متنازعہ ادب" ہی رہا۔

آخر میں سبط اختر نے یہ کہہ کر بحث ختم کر دی کہ ہم اگر ابن صفی کو شائع نہیں کریں گے تو ان کے پڑھنے والوں کے حلقے میں کمی واقع نہیں ہو گی۔

میں نے اس بحث میں حصہ نہیں لیا تھا لیکن بحث کے دوران ہی میں فیصلہ کر لیا تھا کہ ابن صفی صاحب کو ضرور پڑھوں گا پھر ابن صفی صاحب کی چند کتابیں پڑھنے کے بعد میرا پہلا تاثر یہی تھا کہ ابن صفی جادوگر ہے۔

ابن صفی کا مطالعہ ہی نہیں مشاہدہ بھی بہت وسیع تھا۔ شاعری، ادب، تاریخ، فلسفہ، نفسیات، جنسیات اور سائنس! ان

سارے افق کے وہ شناور تھے اور ان کی علمیت ان کے تخلیق کردہ ہر فقرے میں جھلکتی تھی۔

کردار نگاری میں ان کا جواب اردو ادب میں تلاش کرنا ناممکن کی حد تک مشکل ہے۔ وہ اپنے بنیادی کرداروں پر ہی توجہ نہیں دیتے تھے بلکہ سر راہ آجانے والے ہر کردار کو بھی زندہ جاوید بنا دیا کرتے۔ اس سلسلے میں بھی ان کا مقابلہ کرنا مشکل ہے۔ قاری کو کرداروں کے ساتھ ہی نہیں اپنے لفظ لفظ کے ساتھ وہ محو سفر رکھتے تھے۔ فقروں کی تراش، جملوں کی نشست و برخاست اور روانی میں قاری ایک بار بند ہوتا تو اسے باہر نکلنے کا راستہ ہی نہیں ملتا۔

ابن صفی کے پیش کردہ مجرموں سے بیک وقت قارئین کو نفرت اور ہمدردی ہوتی ہے۔ ان کرداروں سے جہاں شدید نفرت کا احساس ہوتا ہے وہاں ان سے رحم اور ہمدردی کے جذبات بھی ذہن کے کئی گوشوں سے ابھر آتے۔ لیونارڈ، فنچ، الفانسے، سنگ ہی، ناتونہ، تھریسیا وغیرہ۔

صفی صاحب یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ انسان پیدائشی مجرم اور قاتل نہیں ہوتا بلکہ حالات اسے جرم کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ان پر ابن صفی کا قلم بڑی سفاکی سے نشتر زنی کرتا تھا۔ یہی نہیں وہ انسان کی نفسیاتی الجھنوں، جنسی ناآسودگیوں اور محرومیوں پر نہ صرف کاری ضربیں لگاتے تھے بلکہ ان پر مرہم رکھنا بھی انہیں خوب آتا تھا۔

ابن صفی نے جہاں انفرادی جرائم پر بے مثال ناول لکھے وہاں اجتماعی اور بین الاقوامی جرائم پر بھی حرف آخر ہی کی طرح لکھا۔ انہوں نے ملکی اور بین الاقوامی طور پر کی جانے والی سازشوں کی نشاندہی کرنے میں کبھی کوتاہی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش نہیں کی کبھی واضح اور کبھی مبہم انداز میں اشارے کیے۔

صفی صاحب جزئیات نگاری سے عموماً گریز ہی کرتے تھے لیکن ماحول کی عکاسی چند فقروں اور چند لفظوں میں کرنے کا انہیں فن بھی آتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جزئیات نگاری کے مظاہرے میں ان کی کہانی کبھی سست رو نہیں ہوتی تھی۔

ابن صفی نے صرف ذہنوں سے چپک جانے والے کردار ہی تخلیق نہیں کیے بلکہ انہوں نے علاقے اور ملک بھی تخلیق کیے۔ شکرال اور زیرولینڈ۔

شکرال کا ماحول، وہاں کے کردار، ان کی نفسیات، ان کی سوچ کا انداز، ان کا رہن سہن، ان کے رسم و رواج، ان کے مذاہب، ان کا فلسفہ حیات، ان کی محبتیں اور نفرتیں، ان کی دشمنی اور دوستی، ان کی بود و باش اور ان کے جنگ کے انداز ایک ایک چیز پر ابن صفی کے قلم نے گلکاریاں کی ہیں اور ایسے نقشے کھینچے کہ ماحول کی اجنبیت کے باوجود ہم خود کو اسی ماحول کا حصہ تصور کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

زیرولینڈ کے بارے میں صرف اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ انسانیت اور امن و سلامتی کی دشمن بڑی طاقتوں کے خلاف جرائم پیشہ افراد کا محفوظ محاذ زیرولینڈ ہے۔ زیرولینڈ ان کی پناہ گاہ ہے۔ ان کی تجربہ گاہ ہے اور ان کی جنت ہے۔ زیرولینڈ کی تخلیق کرکے ابن صفی نے یہ اشارہ دیا کہ بڑی اور منفی طاقتوں کے خلاف اس انداز میں بھی لڑا جا سکتا ہے۔ چور پر مور والی کہاوت یا کہانی حقیقت کا اس طرح روپ بھی دھار سکتی ہے۔

میں بھی اور بہت سے لوگوں کی طرح ہر ماہ وہ ناول پڑھنے کا

●

قفس کی داستاں ہے اور ہم ہیں
اشاروں کی زباں ہے اور ہم ہیں

کبھی دیکھا تھا ایسا بھی چراغاں
نشیمن کا دھواں ہے اور ہم ہیں

پئے مرہم ضروری ہے جراحت
صفِ نشتر زناں ہے اور ہم ہیں

کرم ہے یہ بھی میرِ کارواں کا
غبار کارواں ہے اور ہم ہیں

شمارِ زخم ہائے دل کہاں تک
حسابِ دوستاں ہے اور ہم ہیں

کہانی ختم ہوتی ہے نہ شب ہی
وہی معجز بیاں ہے اور ہم ہیں

عادی ہو گیا تھا کہ ایک دن ابن صفی اپنی ہی کسی نفسیاتی الجھن کا شکار ہو گئے۔ ان کے قارئین کا جو حال تھا سو تھا۔ ان لوگوں کی حالت قابل رحم تھی جو ان کے ناول فروخت کر کے ہر ماہ ہزاروں کما رہے تھے۔ ان لوگوں نے بہت جلد صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا اور ان لوگوں کی ایما پر ہی ایک عدد ابن صفی کے کئی ابن صفی بن گئے۔ ہر لکھاری اس دعویٰ کے ساتھ میدان میں آیا کہ وہ ابن صفی ہے لیکن دعوے کرنے والا ہر فرد اندر سے بالکل کورا اور خالی تھا۔ ابن صفی جس افق پر پرواز کر رہے تھے اس کی گرد کو پانا بھی کسی کے بس میں نہیں تھا۔

نام نہاد ابن صفیوں نے قانونی گرفت سے بچنے کے لیے کئی راہیں نکالیں کوئی ابنِ صفی ہو گیا تو کوئی ابنِ صفی ایسے سارے صفی پڑھنے میں ابن صفی ہی آتے تھے۔ چند ماہ تک ابن صفی کے نام پر کاٹھ کباڑ فروخت کرنے والے پہچان لیے گئے اور ان کی دکانیں بند ہونے لگیں۔

جب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو گیا تو پھر چند حضرات میدان میں یہ کہہ کر جم گئے کہ وہ اپنے ہی نام سے ابن صفی کے کرداروں اور ان کے طرزِ تحریر کی کرشمہ سازیاں جاری رکھیں گے۔ ایسے حضرات ابن صفی کے کرداروں اور طرزِ تحریر کا سرقہ بھی زیادہ دنوں نہیں کر سکے۔ ہوا یہ کہ نقل مطابق اصل بنانے کے چکر میں وہ اپنی چال بھی بھولنے لگے اور انہیں پھر اس سمت سفر کرنا پڑا جہاں سے وہ چلے تھے۔

صحت یابی کے بعد ایک دن پھر ابن صفی میدان میں آ گئے۔ اس کے بعد برساتی مینڈکوں کو ناپید ہونا ہی تھا سو وہ ہو گئے اور وہ لوگ جنہیں ابن صفی کا عقیدت مند اور ان کی اجازت سے ان کے کرداروں اور طرزِ تحریر کا گمان تھا وہ زندہ رہنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگے لیکن جب اصل مارکیٹ میں ہوتا ہے تو نقل کو کون پوچھتا ہے۔

اس سارے عرصے میں، میں ابن صفی صاحب سے نہیں مل سکا کیونکہ میں تنہا موصوف سے ملاقات کی ہمت اپنے اندر پا نہیں رہا تھا۔ ایک خیال ذہن میں یہ بھی موجود تھا کہ میں تو ابن صفی کو جانتا ہوں لیکن ان سے میرا تعارف کون کرائے گا۔ اس وقت میں نے تخلیقی میدان میں قدم تو رکھ دیا تھا لیکن نووارد ہی تھا۔ شاعری بھی کرنے لگا تھا اور سیاسی مضامین بھی، لیکن تھا طفل مکتب ہی۔ ایسی صورت میں ابن صفی صاحب سے میں اپنے بارے میں کہہ بھی کیا سکتا تھا۔

خدا خدا کر کے وہ دن آ ہی گیا اور میں ان دنوں ابن صفی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا جن دنوں ان کا ناول "ڈاکٹر دعا گو" مارکیٹ میں آیا تھا۔

ابن صفی صاحب سے ملنے کے بعد میرا پہلا تاثر یہی تھا کہ کاش میں ان سے نہ ملتا تو بہتر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میں سمجھتا ہوں ابن صفی صاحب ملنے کی نہیں بلکہ پڑھنے کی چیز تھے۔ ان سے ملاقات سے قبل میں سوچتا تھا۔ ابن صفی باغ و بہار طبیعت کے مالک ہوں گے۔ چٹکلا باز، بذلہ سنج، حاضر جواب، بات میں سے بات پیدا کرنے والے یعنی اپنے کردار عمران اور فریدی کا حسین امتزاج لیکن وہ تو دیکھنے میں بالکل عام سے آدمی ہی نہیں بلکہ بات کرنے میں بھی عام آدمی تھے۔ نہ علمیت کا رعب نہ دبدبہ اس کے برخلاف وہ انکساری اور کم سخنی کا نمونہ تھے۔ علیک سلیک کے بعد وہ منتظر رہے کہ میں کچھ بولوں گا۔ میں انتظار کرتا رہا کہ اب ان کے منہ سے شگوفے پھوٹیں گے، پھول کھلیں گے، ایک لمحے میں وہ محفل کو زعفران بنا دیں گے۔ ان کی معطر معطر گفتگو سے میں بھی اپنے ذہن کو گلزار بنا لوں گا لیکن یہ سب نہیں ہوا خاموشی کی ایک موٹی اور بھدی دیوار میرے اور ان کے درمیان حائل رہی۔

ان کی محفل میں میرے علاوہ بھی کئی افراد بیٹھے ہوئے تھے اور آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ میں چونکہ ان افراد کے لیے اجنبی تھا اس لیے ان میں سے کوئی بھی مجھ سے مخاطب نہیں ہوا اور نہ ہی میں نے ان سے گفتگو کا آغاز کیا۔ تھوڑی دیر میں دل میں تنہائی کا احساس جگائے خاموش بیٹھا رہا لیکن کب تک، مجھے تو بہرحال کچھ بولنا ہی تھا۔ اس لیے گویا ہوا۔ "اچھا صاحب مجھے اجازت دیں۔" آواز قدرے تیز تھی۔

"جی ..... ہاں!" ابن صفی صاحب نے جیسے چونک کر میری طرف دیکھا اور پھر بولے۔ "آتے جاتے رہا کریں میاں۔"

اس ملاقات کے بعد ان سے ملنے کی ہمت ہی نہیں کر سکا۔ حالانکہ ان سے ملنے کی تمنا دل میں جوان رہی، مچلتی رہی، اس تمنا کو بھلانے کا ایک طریقہ میں نے نکال لیا۔ جب بھی ان سے ملاقات کرنے کے لیے دل مچلتا تو میں ذہن میں کبھی عمران کے کردار کو جگا لیتا یا کبھی فریدی کے کردار کو بیدار کر لیتا۔ ان دونوں کرداروں میں مجھے ابن صفی کی ذات رواں دواں نظر آتی اور میں ملاقات کا لطف اٹھا لیتا۔ اب بھی میں یہی کرتا ہوں۔

• • •
• • •
• • •